دعوت و تفہیم دین کے قرآنی اصول: ایک تجزیاتی مطالعہ

The *Qur'ānic* Principles of *Daʿwah* and Understanding Religion: An Analytical Study

Ghazi Abdul Rehman Qasmi

Lecturer, Govt. Wilayat Husain Islamia Degree College, Multan

Dr. Muhammad Husnain

Assistant Professor Division of Science and Technology, University of Education, Township Lahore

Ehsanullah

PhD Scholar Islamic Studies, University of Sargodha/ Director, Islamic Centre of Daejeon, South Korea

Abstract

The holy Quran discusses principles and it often does so with brevity. And the details and explanation of these principles is expounded by Aḥādith. But the Holy Quran explains the principles where necessary. So where the Holy Quran discusses different topics & matter, It also elaborates the principles of *Daʿwat-e-Dīn*. By following the principles, set by the holy Quran, the Holy prophet P.B.U.H. preached Daʿwat-*e-Dīn*. The effective method Preach *Daʿwat-e-Dīn* adopted by the Holy Prophet is the only way to be followed in order to convey the principles of Quran effectively. In this article, we have discussed the principles of *Daʿwat-e-Dīn* described by the Holy Quran and how the Holy Prophet has implemented these principles in connection with *Daʿwat-e-Dīn.*

Key Words: *Daʿwat-e-Dīn*, *Qur'ānic* Principles. Method of Preaching, *Sīrah*

تمہید

قرآن کریم انسانی زندگی کے دین سے متعلقہ احکامات اور درپیش مسائل کے حل کو اصول و کلیات کی صورت زیر بحث لاتا ہے اور اس میں بھی اکثر و بیشتر اختصار کا انداز ہوتا ہے اور اس کی تفصیل و تشریح اور دائرہ کار احادیث سے واضح ہو جاتا ہے لیکن جہاں ضرورت ہو وہاں تفصیل بھی بیان کرتا ہے چنانچہ قرآن نے کریم نے جہاں دیگر موضوعات و معاملات پر اصولی طور پر رہنمائی دی وہاں دعوت دین کے اصول بھی بیان کیے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے :﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾[1] "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت سے دعوت دیں اور لوگوں سے اچھے طریقہ سے مباحثہ کریں۔" اس آیت میں دعوت دین کے تین اہم اصول بیان کیے گئے ہیں۔

❶ حكمة

❷ موعظة الحسنه

❸ جدل بطريق احسن

ان پر مفصل روشنی ڈالتی جاتی ہے۔

❶ حكمة

حکمت کا لفظ قرآن کریم میں بیس مقامات پر مختلف معانی اور مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔[2] اس لیے مفسرین کرام نے اس کے مفہوم میں مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔ امام ابو المظفر السمعانیؒ (م-489ھ) نے تین قول نقل کیے ہیں:

1۔ حکمت سے مراد قرآن کریم ہے۔

2۔ حسن اور قبح میں اشیاء کی مراتب کے لحاظ سے معرفت حکمت کہلاتی ہے۔

3۔ علم کے ذریعے قبیح اشیاء سے حسن کی طرف لانا حکمت کہلاتا ہے۔[3]

امام زمخشریؒ (م-538ھ) لکھتے ہیں: "حکمت سے مراد ایسی گفتگو جو محکم اور صحیح بنیادوں پر ہو اس لیے کہ وہ حق کی وضاحت اور شبہات کا ازالہ کرنے والی دلیل ہے۔"[4] قاضی ابن عطیہ اندلسیؒ (م-542ھ) لکھتے ہیں: "حکمت ایسے درست کلام کو کہتے ہیں جو ایسے مناسب موقع پر ہو کہ مخاطب کے دل میں جگہ بنا لے۔"[5]

امام فخر الدین رازیؒ (م-606ھ) لکھتے ہیں: "حکمت نام رکھا جاتا ہے ایسی حجت قطعیہ کا جو عقائد کے اثبات میں یقین کا فائدہ دے۔"[6] بہر کیف ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی مبنی بر حق قطعی و یقینی کلام، گفتگو اور حجت جو موقع و محل کی رعایت سے مخاطب کو پیش کی جائے وہ اس کے دل میں جگہ بنا کر ہی چھوڑے حکمت کہلاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے دعوت و تفہیم دین کے منہج سے حکمت کی چند امثلہ پیش کی جاتی ہیں۔

① **تدریج**

نبی کریم ﷺ نے دعوت دین میں بتدریج مختلف احکامات دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی تاکہ ان کے نفوس و قلوب آہستہ آہستہ ان سے مانوس ہو جائیں اور یکبار کی تکلیف سے گھبرا نہ جائیں۔ اور بیک وقت جمیع احکامات کی پابندی کو اپنے لیے بوجھ نہ سمجھیں اس لیے کہ انسان کی تربیت و پرورش کے بھی اسی فطری اصول پر ہوئی ہے۔ اور انسانی طبائع اور مزاج میں بھی یہ بات فطرتا ودیعت رکھی گئی ہے کہ کسی بھی چیز کی طرف میلان اور جھکاؤ بتدریج آگے بڑھتا ہے۔ اور وہی بات زیادہ موثر اور دلنشین ہوتی ہے جس میں تدریج کی روح کارفرما ہو۔ نزول قران میں بھی یہ اصول اور اسلوب نمایاں نظر آتا ہے۔ جس پر کفار نے اعتراض کیا تھا کہ قرآن کریم ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل ہوا جیسا کہ تورات، زبور وانجیل ایک ساتھ ہی پیغمبروں پر نازل ہوئی چنانچہ اس پر ارشاد باری تعالی نازل ہوا:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۛ كَذٰلِكَ ۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾[7] "اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اس طرح آہستہ آہستہ اس لئے اتارا گیا کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اسکو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔" امام فخر الدین رازیؒ (م-606ھ) نے تدریجا قرآن کریم کے نزول کی آٹھ حکمتیں بیان کی ہیں جو اس مقام پر دیکھی جاسکتی ہیں۔[8]

تدریجی اصول اور حالات وزمانہ کی رعایت کے ثبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت سے واضح ہے:

«إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنَ المُفَصَّلِ، فِيهَا ذِكْرُ الجَنَّةِ وَالنَّارِ، حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى الإِسْلاَمِ نَزَلَ الحَلاَلُ وَالحَرَامُ، وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ: لاَ تَشْرَبُوا الخَمْرَ، لَقَالُوا: لاَ نَدَعُ الخَمْرَ أَبَدًا، وَلَوْ نَزَلَ: لاَ تَزْنُوا، لَقَالُوا: لاَ نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا»[9] "سورت مفصل میں سب سے پہلے وہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال وحرام کی آیت نازل ہوئی اگر پہلے ہی یہ آیت نازل ہو جاتی کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ آیت نازل ہوتی کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہیں چھوڑیں گے۔"

مذکورہ بالا حدیث اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ قرآنی احکام کا نزول مصلحت کے ساتھ تدریجا ہوا ہے جس میں حالات اور زمانہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مگر اس پر ایک اشکال ہے کہ پہلی وحی تو سورۃ العلق کی پانچ آیات پر مشتمل تھی اور اس میں تو جنت وجہنم کا ذکر نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ کے قول «إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ» میں "مِنْ" مقدر ہے"أي من أول ما نزل" یعنی جو پہلی مکمل سورۃ نازل ہوئی تھی اس میں جنت وجہنم کا ذکر ہے اور دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا کہ اس سے مراد سورۃ المدثر ہے اس لیے کہ وہ پہلی مکمل سورۃ ہے جو فترۃ الوحی کے بعد نازل ہوئی اور اس کے آخر میں جنت وجہنم کا ذکر ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ سورۃ المدثر کی آخری آیات سورۃ اقرء کے بقیہ آیات سے قبل نازل ہوئی ہوں۔[10] اسی طرح جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ کو یمن بھیجا تو انہیں فرمایا: «إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللَّهِ،۔۔۔۔خُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ»[11] "کہ تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو، انہیں سب سے پہلے اللہ کی عبادت کی طرف بلاؤ، جب وہ اللہ تعالیٰ کو جان لیں تو انہیں بتاؤ کہ

اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں دن رات میں فرض کی ہیں، جب وہ یہ کر لیں تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالوں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں کو دی جائے گی۔ جب وہ یہ مان لیں تو ان سے زکوۃ وصول کرلیں لیکن ان کے عمدہ مال لینے سے بچتے رہو۔" امام نوویؒ (م-676ھ) لکھتے ہیں: وقد كانت أمور الإسلام في التكليف على التدريج[12] "اور تحقیق اسلامی احکامات مکلف بنانے میں تدریج پر واقع ہوئے ہیں۔"

امام ابن علانؒ (م-1057ھ) لکھتے ہیں: والغرض بذلك التدريج حتى لا ينفروا من كثرتها لو جمعت [(13)] "اس طریقے سے دعوت دینے کا مقصد تدریج ہے تاکہ وہ ان کے اکٹھے ذکر کرنے سے متنفر نہ ہو جائیں۔"

بتدریج کے پیش نظر ہی آپ ﷺ نے تیسیر سے کام لیا جس کا ابھی ذکر کیا جاتا ہے۔

② تیسیر

انسانی نفسیات میں ایک اہم ترین پہلو تیسیر کی متوجہ ہونا اور اسے اخذ کرنا ہے۔ کوئی بھی معاملہ ہو اگر اس میں تیسیر کو نظر انداز کر کے بالکلیہ سختی کر دی جائے یا آغاز وافتتاح میں ہی شدت سے کام لیا جائے تو اس کی طرف لوگوں کا التفات بہت کم ہو گا اور یہ ان کے لیے باعث تکلیف بھی ہو سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دعوت دین میں نہ صرف نرمی اور آسانی سے کام لیا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو بھی اس کا حکم دیا ایک مقام پر فرمایا: «يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا »[14] "آسانی کرو اور سختی نہ کرو، لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور متنفر نہ کرو۔" ایک روایت میں « وَسَكِّنُوا »[15] کے الفاظ آرہے ہیں "کہ ان کو سکون دینا۔" امام نوویؒ (م-676ھ) نے اس حدیث سے بہت سے فوائد مستنبط کیے ہیں۔

1۔ اس حدیث میں آسانی، خوشخبری، سکون کے متضاد الفاظ سختی، نفرت کو اکٹھے ذکر کیا گیا کیونکہ ان کا تعلق مختلف اوقات سے ہے اگر صرف آسانی وخوشخبری کے الفاظ ہوتے تو اس کا مصداق وہ شخص ہو سکتا تھا جو ایک مرتبہ یا چند مرتبہ آسانیاں پیدا کرتا اور بعض حالات میں سختی کرتا لیکن جب یہ فرمایا کہ « وَلاَ تُعَسِّرُوا » تو اس سے سختی کی تمام صورتوں کی جمیع احوال میں نفی ہو گئی کہ کسی حالت میں سختی نہیں کرنی اور یہی بات مطلوب ومقصود ہے۔

2۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ خوشخبریاں سنانے کا حکم دیا گیا ہے کہ اس کا ثواب عظیم ہے اور عطاء بہت بڑی ہے اور اس کی رحمت بہت وسیع ہے۔

3۔ خوشخبریوں کا ذکر کیے بغیر محض اللہ سے ڈرانا اور وعید کی اقسام کا ذکر کرنا منع ہے۔

4۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو اسلام کے قریب کرنے کے لیے ان کی تالیف قلبی کی جائے اور ان پر سختی کرنے سے گریز کیا جائے۔

5۔ اسی طرح جو بچے قریب البلوغ ہوں، جو بالغ ہو جائیں اور جو شخص معاصی سے توبہ تائب ہو جائے ان تمام کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے اور ان کو بتدریج نیکی وطاعت کی اقسام کی طرف لایا جائے اس لیے کہ تمام امور اسلام تکلیف میں تدریج پر واقع ہوئے ہیں لہذا جو شخص نیکیوں کی طرف آنا چاہتا ہے یا ارادہ کرتا ہے اس پر نرمی کرنے سے اس کو سہولت حاصل ہو گی۔[16]

آپ ﷺ کا عمومی مزاج یہی تھا کہ نرمی کے ساتھ اصلاح فرماتے تھے۔ اسی طرح ایک اور واقعہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا لوگوں نے سختی کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ »[17] "اسے چھوڑ دو اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو اس لئے کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔" اور مسلم کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے اس کو بلوایا اور فرمایا:

«إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ، وَلَا الْقَذَرِ إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ »[18] "کہ مساجد میں پیشاب اور کوئی گندگی وغیرہ کرنا مناسب نہیں یہ تو اللہ عزوجل کے ذکر اور قرآن کے لئے بنائی گئی ہیں۔" امام بدر الدین عینیؒ (م-855ھ) نے ایک اور لطیف بات لکھی ہے کہ جب آپ ﷺ نے یہ فرمادیا "کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے" تو بات مکمل ہو گئی پھر یہ کیوں کہا "کہ تم سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے" یہ نرمی کے معاملہ میں تاکید کے بعد تاکید کی جا رہی ہے۔[19] آپ ﷺ کا دعوت دین میں عمومی اسلوب یہی تھا کہ مخاطب کو نرمی سے سمجھایا جائے اور یہی انداز زیادہ موثر ہوتا ہے۔

③ مخاطب کی عزت نفس کی رعایت

آپ ﷺ جب کسی کی بھری محفل میں اصلاح فرماتے اور دینی مسئلہ کی طرف دعوت دیتے تو اس کا نام نہیں لیتے تھے تاکہ اسے شرمساری نہ ہو اور آپ ﷺ کا تادیب میں یہی اسلوب کارفرما تھا۔ علماء نے لکھا ہے "کہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ مخاطب کی تادیب نام لیے بغیر فرماتے تھے تاکہ اس ندامت محسوس نہ ہو۔"[20] اس اسلوب کی بہت سی امثلہ ہیں ایک مثال ذکر کی جاتی ہے۔ شریعت کا مسئلہ ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کرے گا تو اس کی ولاء (میراث) غلام کے مرنے کے بعد اس شخص کو ملے گی جس نے اس کو آزاد کیا تھا بشرطیکہ غلام کے ورثاء اور عصبات موجود نہ ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کرنا چاہا تو ان کے مالکوں نے یہ شرط لگادی کہ اس کی ولاء انہیں ملے گی اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَمَّا بَعْدُ مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ »[21] "امابعد لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں۔ جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں کوئی ایسی شرط جو کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہے باطل ہے اگرچہ شرطیں لگائے اللہ کا فیصلہ سب سے سچا اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے ولاء اسی کی ہے جو آزاد کرے۔" اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے: « كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَلَغَهُ عَنِ الرَّجُلِ الشَّيْءُ لَمْ يَقُلْ: مَا بَالُ فُلَانٍ يَقُولُ؟ وَلَكِنْ يَقُولُ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَقُولُونَ كَذَا وَكَذَا »[22] "کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کسی آدمی سے کوئی ناگوار بات پیش آتی تو آپ یہ نہ کہتے کہ فلاں کو کیا ہو گیا؟ (اس آدمی کا نام نہ لیتے) بلکہ یہ فرماتے تھے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا جو اس اس طرح کہتے ہیں۔" قابل غور مقام ہے کہ مخاطب کا نام لینے کی بجائے « مَا بَالُ رِجَالٍ » اور « مَا بَالُ فُلَانٍ » کے الفاظ استعمال

کرتے تا کہ حقیقی مخاطب شرمسار نہ ہو اسی طرح کی اور بھی مثالیں ہیں جن میں « مَا بَالُ أَقْوَامٍ » کے ذریعے خطاب کیا اور مخاطب کا نام نہیں لیا تا کہ مخاطب سمیت باقی لوگ بھی اس مسئلہ کو جان لیں۔

④ شرم وحیاء کالحاظ

آپ ﷺ کے دعوت و تفہیم میں ایک حکیمانہ اسلوب یہ بھی کار فرما تھا کہ ایسے مخصوص مسائل جن کا تعلق شرم وحیاء سے تھا ان میں کنایہ اور رموز کے انداز میں بات کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت نے غسل حیض کے بارے میں سوال کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: « تَأْخُذِينَ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَوَضَّئِينَ بِهَا »[23] "مشک لگا ہوا ایک کپڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو۔" اس کو بات سمجھ نہ آئی اس نے پھر سوال کیا کیسے پاکی حاصل کروں؟ تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا "اس سے پاکی حاصل کرو" صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے "کہ شرم کی وجہ سے آپ نے چہرہ پھیر لیا۔[24]" حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کی بات سمجھ گئی تو میں نے پھر اس کو طریقہ سکھلا دیا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بھی سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے انہیں بھی یہی بات فرمائی اور چہرہ منہ سے چھپالیا حضرت عائشہ رضی اللہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے جو بات کنایۃً کہی تھی میں نے حضرت اسماء کو سمجھائی کہ اس سے محل دم کو صاف کر لو۔[25] امام ابن بطالؒ (م-449ھ) نے اس حدیث سے چند فوائد مستنبط کیے ہیں۔

1۔ عورتوں کے لیے مخصوص مسائل کے پوچھنے میں کوئی عار کی بات نہیں۔
2۔ عالم سے جب شرم وحیاء والی باتوں کے متعلق سوال ہو تو وہ اشارۃً اور کنایۃً جواب دے۔
3۔ سائل کو جواب سمجھ نہ آئے تو جواب کو دہرا دیا جائے۔
4۔ سائل کو بات سمجھ نہ آئے تو وہ دوبارہ سوال کرلے۔[26]

امام نوویؒ (م-676ھ) لکھتے ہیں: وفيه استحباب استعمال الكنايات فيما يتعلق بالعورات[27] "اور اس حدیث سے معلوم ہوا شرم وحیاء والی باتوں میں کنایات کا استعمال کرنا مستحب ہے۔" اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: « وَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوئِهِ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لاَ يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ »[28] "اور جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو وضو کے پانی میں ڈالنے سے پہلے دھو لے، اس وجہ سے کہ تم میں سے کوئی یہ نہیں جانتا کہ رات کا اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے۔" اس حدیث میں آپ ﷺ نے « أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ » کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے کنایہ میں بات کی اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ امام نوویؒ نے اس حدیث سے دو فائدے مستنبط کیے ہیں۔

1۔ الفاظ کنایہ کو استعمال کرنا مستحب ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے سونے والے کے بارے میں کنایہ کے انداز میں بات کرتے ہوئے فرمایا "کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے" اور یہ نہیں فرمایا "کہ شائید اس کا ہاتھ شرمگاہ کو یا نجاست کو نہ لگ گیا ہو" اگرچہ آپ ﷺ کا مقصود یہی بیان کرنا تھا۔ اس اسلوب کی قرآن وسنت میں بہت سی امثلہ موجود ہیں۔

2۔ اگر کنایہ سے کی گئی بات مخاطب کو نہ سمجھ آئی ہو تو پھر اس کی وضاحت ضروری ہے تاکہ التباس نہ ہو جائے اور جو بات شرعاً مطلوب نہیں وہ اس کو سمجھ بیٹھے۔[29]

انسانی معاشرہ میں رہتے ہوئے مرد و زن کی سر راہ ملاقات ہو سکتی ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی پر کشش اور خوبصوت عورت کو دیکھ کر انسان کے قلبی جذبات متزلزل ہوں اور شیطانی بہکاوے میں آ کر غلط سوچیں اس کے دل و دماغ پر حاوی ہوں ایسی صورت حال اگر کسی کے ساتھ ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ حدیث مبارکہ میں اس کا خوبصورت حل بیان کیا گیا ہے کہ: « فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَأَعْجَبَتْهُ فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ فَإِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِي مَعَهَا »[30] ''پس اگر تم میں سے کوئی عورت کو دیکھے اور اسے اچھی لگے تو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس آ جائے کیونکہ اس کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس کے پاس ہے۔'' حدیث کے الفاظ « فَإِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِي مَعَهَا » محل وطی سے کنایہ ہیں۔ جن میں نہایت جامعیت اور شرم و حیاء کی مکمل پاسداری کے ساتھ رہنمائی کی گئی ہے اس قسم کی اور بھی بہت سی امثلہ کتب حدیث و سیر میں موجود ہیں جہاں آپ ﷺ نے شرم و حیاء سے متعلقہ امور کو اسی اسلوب میں بیان کیا جو ایک داعی کے لیے مشعل راہ ہے۔

❷ موعظة الحسنه

اس کی تفسیر میں بھی مفسرین نے مختلف باتیں نقل کی ہیں۔ ابو المظفر السمعانیؒ (م-489ھ) لکھتے ہیں:

1۔ دعوت الی اللہ ترغیب اور ترہیب کے ساتھ ہو۔

2۔ ایسی نرم کلامی سے مخاطب کرنا جس میں سختی اور ترش روئی کا پہلو نہ ہو۔[31]

امام زمخشریؒ (م-538ھ) نے اس کے مفہوم میں دو باتیں نقل کی ہیں۔

1۔ اس سے مراد ایسے انداز میں وعظ و نصیحت ہے کہ مخاطب پر کسی قسم کا کوئی خفاء نہ رہے وہ جان لے کہ تم اس کی خیر خواہی چاہتے ہو اور اس کے نفع اور فائدہ کے طالب ہو۔

2۔ اس سے مراد قران کریم بھی ہو سکتا ہے یعنی انہیں کتاب کے ساتھ دعوت دیجیے جو کہ حکمت اور موعظة الحسنہ سے بھری ہوئی ہے۔[32] ان تمام اقوال کا لب لباب یہ ہے کہ نرمی، شفقت اور خیر خواہانہ انداز میں مخاطب کو وعظ و نصیحت کیا جائے اور ترغیب دلائی جائے اور ایسا اسلوب اختیار کیا جائے کہ اس پر تمام پہلو منکشف ہو جائیں کسی قسم کا کوئی خفاء نہ ہو اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ اس دعوت و تبلیغ میں اسی کا فائدہ ہے اور داعی کا اس سے مقصد اس کے ساتھ خیر خواہی، نیکی اور بھلائی کا اظہار ہے۔ اور موقع محل کی مناسبت سے ترغیب کے ساتھ ترہیب والا انداز بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس اصول کی پاسداری بھی ہمیں سیرت رسول ﷺ میں نمایاں نظر آتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: « أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا، وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ »[33] ''کیا میں تمہیں ایسی باتیں نہ بتلاؤں جن کے کرنے سے اللہ تعالی تمہاری خطاؤں کو مٹا دے اور تمہارے

درجات کو بلند کر دے اصحاب رسولؐ نے عرض ضرور بتایئے، فرمایا سختی اور تکلیف کے وقت کامل وضو کرنا اور مساجد کی طرف زیادہ قدم اٹھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی تمہارے لیے رباط ہے۔"
اب یہاں ابھارنے کا انداز اختیار کر کے بات شروع کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا « بَلَی » (کیوں نہیں) سے جواب دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بڑی خیر خواہی کی بات ان سے کی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے « أَلَا أَدُلُّكُمْ ۔ أَلاَ أُنَبِّئُكُمْ۔ أَلاَ أُحَدِّثُكُمْ۔أَلاَ أُخْبِرُكُمْ » کے الفاظ مختلف مواقع پر استعمال کیے احادیث میں ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح بات کرنے سے سامعین میں شوق اور طلب بڑھ جاتی ہے کہ کوئی اہم بات ہونے جا رہی ہے چنانچہ وہ پوری توجہ سے ہمہ تن گوش ہو کر بات سنتے ہیں جس سے معلومات میں اضافہ کے علاوہ وہ بات بھی دیر تک مستحضر رہتی ہے دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس میں یہ طریقہ آج بھی نہایت مقبول ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت کے ساتھ خیر خواہی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کام کے لیے کچھ دن مقرر کیے ہوئے تھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الأَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا »[34] "کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں نصیحت کرنے کے لئے کچھ دن مقرر کر دیئے تھے، ہمارے اکتا جانے کے خوف سے۔" امام نوویؒ (م-676ھ) لکھتے ہیں: "اور اس حدیث سے معلوم ہوا وعظ و نصیحت میں میانہ روی ہونی چاہیے تاکہ دل اکتا نہ جائیں جس سے مقصود فوت ہو جائے۔[35]"
امام الزبیدانیؒ (م-727ھ) راوی کی بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "نبی کریم ﷺ ہمیں مسلسل وعظ نہیں فرماتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں کیونکہ اکتاہٹ کی صورت میں کلام ہمارے دلوں میں پوری طرح موثر نہیں ہو گا بلکہ دنوں کے وقفہ اور مختلف اوقات میں وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور ایسے وقت کا انتخاب فرماتے جس میں ہم پوری دلجمعی سے متوجہ ہوں اسی طرح مشائخ اور واعظین کو چاہیے کہ وہ اپنے مریدوں کی تربیت میں ایسا کیا کریں۔[36]" اسی طرح ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا: «لَقَدْ رَأَيْت أَوْ أُمِرْتُ أَنْ أَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ، فَإِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ »[37] "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ گفتگو میں توسط اختیار کروں کیونکہ درمیانے انداز میں ہی خیر ہے۔" الغرض آپ ﷺ کے دعوت و تفہیم دین میں اسلوب موعظۃ الحسنہ جس میں نہ صرف مخاطب کی بات اور سوال کو توجہ سے سنا جاتا تھا بلکہ حکیمانہ انداز میں اس کی بات کا جواب دیا جاتا تاکہ وہ زیادہ موثر ہو اور مخاطب کی طبیعت پر بار نہ ہو اور وہ یہ سوچنے و سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ جو کہا جا رہا ہے یہی اس کے حق میں مفید ہے۔ باقی رہی دعوت و تفہیم دین کی صورتیں تو یہ ایک اور تفصیل طلب موضوع ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے مختصراً یہ کہ آپ ﷺ نے باتوں کو دہرا کر، عمل اور بیان کے ذریعہ، اشارہ کے استعمال، امثلہ سے توضیح، ابھارنے اور استفہامیہ انداز، ٹھہر ٹھہر کر بات کو مکمل کرنا وغیرہ سمیت دیگر صورتوں سے بھی احکامات کی تبلیغ کی ہے جیسا کہ کتب حدیث و سیرت اس کی موید و شاہد ہیں۔

❸ جدل بطریق احسن

اس کی تفسیر میں بھی ائمہ سے کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔امام محی السنہ البغویؒ(م-510ھ)لکھتے ہیں:"ان سے جھگڑا اور مناظرہ احسن طریقے سے کرو کہ ان کو تکلیف دینے سے بچو اور رسالت کی تبلیغ اور حق کی طرف بلانے میں کوئی کمی نہ کرو۔[38]"

امام زمخشریؒ(م-538ھ)لکھتے ہیں:"احسن طریق سے مجادلہ یہ ہے کہ اس میں سختی اور درشتی کی بجائے نرمی اور مہربانی کا لحاظ رکھا گیا ہو۔[39]"امام فخر الدین رازیؒ(م-606ھ)لکھتے ہیں:"ایسے دلائل جن کے ذکر کرنے سے مقصود مخاطب کو خاموش کرانا ہو جدل کہلاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔احسن جدل وہ ہے جس میں دلیل ایسے مسلمہ مقدمات سے مرکب ہو جو جمہور کے ہاں مشہور ہیں یا اس قائل کے نزدیک مسلمہ ہوں اور جس جدل میں دلیل فاسد و باطل مقدمات سے مرکب ہو اور اس سے مقصود سامعین کو بیوقوف بنانا، فتنہ پیدا کرنا، غلط حیلے کرنا ہو تو یہ اس میں داخل نہیں اور نہ ہی اہل علم وفضل کی شان کے مناسب ہے کہ وہ ایسی باتوں کی طرف التفات کریں بلکہ ان کے لائق تو پہلی ہی قسم ہے۔[40]"

قاضی ثناء اللہ المظہریؒ(م-1225ھ)لکھتے ہیں:

"ایسے طریقہ سے مناظرہ کرو کہ اس میں نفس کی تیزی اور شیطانی وسوسہ کا دخل نہ ہو بلکہ رضاء الہی اور اس کے کلمہ کی بلندی پیش نظر ہو۔[41]"مذکورہ اقوال کا حاصل یہ ہے کہ اگر بحث ومباحثہ اور مناظرہ کی نوبت آجائے تو اس میں سختی اور درشتی سے کام نہیں لینا کہ ان کو اذیت پہنچے بلکہ نرمی ومہربانی کے ساتھ اخلاص اور رضاء الہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے خوبصورت انداز میں بحث کرنی ہے اور مخاطب کو قائل کرنے کے لیے جن دلائل کا سہارا لینا ہو ان کی بنیاد ایسے مقدمات اور اصول پر ہوں جو اہل علم کے ہاں مسلمہ اور مشہور ہوں یا کم از کم جس شخص سے مباحثہ ہو رہا ہو اس کے ہاں مسلمہ ہوں تاکہ کسی قسم کے اعتراض کا موقع نہ رہے۔سیرت النبی ﷺ سے اس اصول کی مزید توضیح دو امثلہ سے کی جاتی ہے۔حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے زنا کی اجازت چاہی جس پر پاس بیٹھے لوگ اسے ڈانٹنے لگے آپ ﷺ نے اسے قریب بلایا اور پوچھا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری ماں کے ساتھ کوئی ایسا کرے؟ اس نے جواب دیا اللہ کی قسم بالکل نہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے پسند نہیں کرتے اس طرح آپ ﷺ نے بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپھی کا نام لے کر اس سے یہی سوال کیا اس نے وہی جواب دیا اللہ کی قسم بالکل نہیں فرمایا لوگ بھی اپنے عورتوں کے لیے یہ چیز پسند نہیں کرتے اس کے بعد آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا اور دعا فرمائی:« اللهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ »[42]"اے اللہ اس کے گناہ معاف فرما اور اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔"راوی کہتے ہیں اس کے بعد وہ شخص کبھی اس کام کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔[43] دیکھا جائے تو بظاہر یہ بہت عجیب اور سخت نفرت والی بات لگتی ہے کہ بدکاری کی اجازت طلب کی جا رہی ہے مگر آپ ﷺ نے اس پر سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے اس کے سوال کو اسی پر لوٹا کر اسے قائل کیا کہ اس قسم کی بات درست نہیں ہے اس ذہن سازی سے نہ صرف اس کے دل میں گناہ کی قباحت وشناعت کا احساس ابھرا بلکہ پھر اس کے لیے

دعا بھی فرمائی اسی طرح داعی کو چاہیے کہ وہ حکمت سے کام لے اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگتا رہے۔ آپ ﷺ کے پر حکمت اسلوب کی ایک اور مثال ذکر کی جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:
«لاَ عَدْوَى وَلاَ صَفَرَ وَلاَ هَامَةَ» [44] "مرض کا دوسرے کو لگنا اور صفر اور ہامہ کوئی چیز نہیں۔"
اس پر ایک اعرابی نے عرض کیا کہ میرے اونٹ میدانوں میں ہرنوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی کوئی خارشی اونٹ ان سے ملتا ہے تو ان کو بھی خارشی بنا دیتا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: «فَمَنْ أَعْدَى الأَوَّلَ» [45] "پہلے اونٹ کو خارش کہاں سے آئی۔" آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پہلا اونٹ جو کسی خارشی اونٹ سے نہیں ملا تھا اس کو یہ بیماری کیسے لگی؟ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی وہ اس میں مبتلا ہوا اسی طرح باقی جتنے اونٹوں میں بھی یہ بیماری پھیلی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر بالذات اور بالطبع بیماری آگے سرایت نہیں کرتی اور اگر ایسے نہ ہوتا تو پھر پہلے اونٹ میں بھی یہ بیماری پیدا نہ ہوتی۔ [46] آپ ﷺ نے اس کے پیش کردہ سوال کو اسی پر لوٹا کر جواب دیا جس سے نہ صرف اس کی تسلی و تشفی ہوئی بلکہ اس کا عقیدہ بھی درست رہا۔ یہاں پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کا بظاہر دوسری احادیث سے تعارض ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:
«لاَ يُورِدَنَّ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍّ» [47] "بیمار کو تندرست کے پاس نہ اتارو۔" حضرت ابو سلمہ فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی حدیث کا انکار کیا، میں نے کہا کیا آپ نے یہ حدیث «لاعدوی» بیان نہیں کی تھی؟ تو انہوں نے حبشی زبان میں ایسی بات کی جو سمجھ میں نہ آئی، ابوسلمہ کا بیان ہے "کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے سوا کوئی حدیث نہیں بھولے۔ [48]" اب یہاں دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو روایات میں تعارض اور دوسرا راوی کا اپنی پہلی بیان کردہ حدیث کو بھول جانا تو ایسی صورت حال میں پہلی حدیث کیا حکم ہوگا؟ امام نوویؒ (م-676ھ) نے اس پر مفصل بحث کی ہے جس کا مفہوم درج ذیل ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک دونوں حدیثیں صحیح ہیں جن میں تطبیق ضروری ہے پہلی حدیث «لاعدوی» میں زمانہ جاہلیت کے اس گمان کی نفی کرنا مقصود ہے کہ اشیاء میں بالذات اور بالطبع متعدی ہونے کی صلاحیت ہے اور یہ اللہ کے فعل سے آگے منتقل نہیں ہوتیں اور دوسری حدیث جس میں بیمار کو تندرست کے پاس لیجانے سے منع کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے بیماری منتقل ہوتی ہے لہذا اسباب کے درجہ میں اس کو اختیار کیا جائے، پہلی حدیث میں بالذات بیماری کے متعدی ہونے کے نظریہ کو ختم کرنا ہے اور دوسری میں یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی بیماری لگتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پہلی حدیث کو بھول گئے ہیں تو اس سے پہلی حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے جیسا کہ جمہور علماء کی رائے ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ الفاظ حضرت ابوہریرہ کے علاوہ دیگر روات سے بھی مروی ہیں جیسا کہ امام مسلمؒ نے یہ روایت حضرت سائب بن یزید، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھم سے بھی نقل کی ہیں۔

قاضی عیاضؒ (م-544ھ) نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے حضرت ابو ہریرہ کی بیان کردہ دوسری روایت «لاَ يُورِدَنَّ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍّ» پہلی روایت «لاعدوی» سے منسوخ سمجھا ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں یہ رائے دو وجھوں سے غلط ہے، پہلی یہ کہ نسخ کی طرف رجوع اس وقت کیا جاتا ہے جب روایات میں بالکل جمع ممکن نہ ہو جبکہ دونوں میں جمع و تطبیق ممکن ہے جیسا کہ پیچھے گزر گیا ہے اور دوسری یہ کہ نسخ کے لیے ضروری ہے کہ تقدیم و تاخیر کی تاریخ کا علم ہو اور ناسخ متاخر ہو اور یہاں یہ صورت بھی نہیں پائی جارہی۔[49]

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے: «فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ»[50]"مجزومی شخص سے ایسے بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔" اس کا جواب بھی یہی ہے کہ شریعت کا اصل مقصود یہی بیان کرنا ہے کہ بیماری بذات خود نہیں لگتی بلکہ حکم الہی سے متاثر کرتی ہے اور مجزومی شخص سے الگ رہنے کا حکم سدالزرائع کے طور پر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو مجزومی وغیرہ کے قرب بیماری لگ جائے اور وہ یہ سمجھے کہ اس سے اختلاط کی وجہ بیماری متعدی ہوگئی ہے اس سے بیماری کے متعدی ہونے کی بات ثابت ہو جائے جس کی شارع نے نفی کی ہے۔[51] اسی طرح شریعت نے صفر اور ھامہ کی بھی نفی کی ہے کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے بعض لوگوں کا گمان تھا کہ صفر سے مراد پیٹ کے کیڑے ہیں جو بھوک کے وقت کاٹتے ہیں اور بسا اوقات اس سے آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے تو شریعت نے اس کی نفی کی ہے۔ اور ھامہ سے مراد "الو" ہے اور عرب کے لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ مردے کی ہڈیاں اور روح الو کی شکل میں آجاتی ہے اس سے بدفالی لی جاتی تھی۔[52]

قرآن کریم کے بیان کردہ ان اصول کو اس تناظر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ مخاطب تین قسم کے لوگ ہوسکتے ہیں جیسا کہ بعض علماء نے تصریح کی ہے۔

❶ ایسے لوگ جو علم و معرفت کا ذوق رکھتے ہیں اور ان کی استعدادیں حق کو قبول کرنے کی طرف مائل ہیں ان کو حکمت سے بلایا جائے تو یہ طریقہ ان کے حق میں موثر ثابت ہو گا۔

❷ ایسے لوگ جن کے دلوں میں کچھ سختی پائی جاتی ہے اور حق قبول کرنے کی طرف ان کی طبائع میں جلدی میلان واقع نہیں ہوتا تو ایسے لوگوں کو موعظۃ الحسنہ سے کام لیتے ہوئے دعوت دی جائے اور قرآن کریم و حدیث مبارکہ میں سے ایسے واقعات اور نیک لوگوں کے حالات سنائے جائیں کہ ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہو جائے اور وہ اس کی طرف رغبت کریں اور جن لوگوں نے اللہ تعالی کی بات سے روگردانی کی اور معصیت میں مبتلا ہوگئے ان کا انجام کیسے ہوا ترھیب کے انداز میں بیان کیے جائیں کہ وہ من مانی زندگی سے رک جائیں اور اسلام کے حلقہ اطاعت میں آجائیں۔

③ ایسے لوگ جن پر حکمت بھری باتوں اور عمدہ وعظ و نصیحت کا اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ اشکالات اور بحثوں میں پڑے رہتے ہیں اور وہ چاہتے کہ دلیل و برھان اور مباحثہ کے ذریعے ان کو قائل کیا جائے تو ان کے لیے ضروری ہے کہ بحث و مباحثہ و مناظرہ کے ساتھ ان کو بلایا جائے ان کے موقف اور دلائل کی کمزوری کو ثابت کیا جائے اور اس کے بدلے ایسے دلائل پیش کیے جائیں کہ جن کے سامنے وہ سر نہ اٹھا سکیں ایسے لوگوں کے لیے قرآن کریم نے جدل بطریق احسن کا حکم دیا۔

اور اگر ان اصول کو مخاطبین کے لحاظ سے تقسیم نہ کیا جائے بلکہ عام رکھا جائے تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے کہ مخاطب کی نفسیات کی رعایت رکھتے ہوئے حکمت کے ساتھ موقع و محل کی مناسبت سے دعوت دی جائے اور پھر عمدہ نصائح کو دلائل وبراہین سے مزین کر کے پیش کیا جائے کہ اتمام حجت ہو جائے۔

امام رازیؒ نے اس آیت کے اسلوب سے ایک لطیف نکتہ اخذ کیا ہے کہ کہ دعوت کے بنیادی اصول دو ہی ہیں حکمت اور موعظۃ الحسنہ کیونکہ ان کا تعلق دعوت و تبلیغ سے ہے اور جدل کا تعلق دعوت سے نہیں ہے اس کا مقصد تو مخاطب کو لاجواب کرنا ہوتا ہے اس لیے قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ "ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة والجدل الاحسن " کہ ایک ہی سیاق میں سب کا اکھٹا ذکر ہوتا بلکہ جدل کا مستقل الگ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جدل کا تعلق دعوت و تفہیم دین کے باب سے نہیں ہے بلکہ اس کے اور مقاصد ہیں بوقت ضرورت جن سے کام لیا جاسکتا ہے۔[53] باقی یہاں پر ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم نے تو دوسرے مقام پر جدل کی مذمت کی ہے اوراس سے منع کیا ہے۔ارشاد ربانی ہے :﴿وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾[54]"اور انہوں نے کہا کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یہ باتیں صرف آپ سے جھگڑنے کے لیے کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ تو جھگڑا کرنے والے وہی ہیں۔" اور دوسرے مقام پر فرمایا:﴿ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ﴾[55]" آپس میں نہ جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔" امام رازیؒ نے ایک اور جگہ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حق کے اثبات اور لوگوں سے دعوت دین کے حوالہ سے بحث ومباحثہ اس میں داخل نہیں ہے جیسا کہ جمہور متکلمین کی رائے ہے ان کی دلیل یہی آیت ہے ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ﴾ اور وہ جدل منع ہے جس کا مقصد باطل کا اثبات، مال ودولت کا حصول اور عہدوں کی طلب ہو۔[56]

خلاصہ بحث:

اللہ تعالی نے اپنی معرفت کے لیے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتب مقدسہ سماویہ بھی اسی پس منظر میں نازل کی گئیں تھی اسی سلسلہ میں نبی آخر الزمان ﷺ کو جزیرہ عرب میں پیدا فرمایا اور قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب نازل کی گئی جس میں دینی امور کو اصول وکلیات اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی تفصیل بھی بیان کی گئی انہی میں دعوت و تفہیم دین کے لیے اہم اصول بھی بیان کیے جن کی آپ ﷺ نے اپنے طرز عمل سے بہترین عملی صورتیں بیان کیں اور اس قدر عمدہ اور اعلی انداز میں تفہیم کی کہ کسی قسم کا نکتہ اعتراض باقی نہ رہے۔ان اصول کی پاسداری سے سامعین اور مخاطبین کے قلوب واذہان متاثر اور مسخر ہوئے جس سے نہ صرف انہوں نے ان احکامات کو قبول کیا بلکہ یہ رہنمائی بھی ملی کہ احکام شرعیہ ودینیہ کی تبلیغ واشاعت اور دعوت کے لیے اسی منہج کی پاسداری کرنی ہے تاکہ لوگوں کے لیے سہولت ہو اور وہ کسی قسم کی دقت محسوس نہ کریں لہذا جب بھی اسی منہج کے مطابق دعوت دی جائے گی وہ تو ضرور مقبول ہوگی اور اپنا اثر لائے گی اس لیے دور جدید میں مسلم و غیر مسلم کو دین کی دعوت و تفہیم کے لیے اسی منہج کو سمجھنا اور اختیار کرنا ضروری ہے۔

References

[1] Al- Naḥal,16:125.

[2]Muḥammad Fawād ᶜAbdul Bāqī, , Al-Muᶜjam Al-Mufhras lil Alfāz il Qurān il Kareem(Lahore: Maktaba -Rahmāniyah) 454.

[3]Abu Al-Muḍaffar Mansūr Bin Muhammad Al-Samᶜānī, Tafsir Al-Quran(Riyadh: Dār ul-Watan, 1418 AH) 3: 210.

[4]Abu Al- Qāsim Maḥmūd bin Amar Al-Zamakhsharī, Al- Kashhāf - ᶜan Ḥaqāiq Gwāmiḍ- it- Tanzeel(Beirūt: Dār- ul-Kitāb- ul-ᶜArabi, 1407 AH)2: 644.

[5]Abu Muḥammad ᶜAbdul Haq Bin Ghālib Ibn ᶜAṭiyah -Al-Undlasī, Al-Muḥarrar-ul-Wajeez Fi Tafseer-il-Kitāb-il-Azeez(Beirūt:Dār-ul-Kutub-ul-ᶜlmiah,1422 AH)3:432.

[6]Muḥammad Bin Umar Fakhruddin Al-Rāzī, Mafātiih-ul-Ghayb(Beirūt:Dār-e-Iʾhiyā -Al-Turāth Al-ᶜArabī, 1420 AH)20:287.

[7]Al-Furqān,25:32.

[8]Al-Rāzī, Mafātiih-ul-Ghayb)24:457.

[9]Abu ᶜAbdullah Muhammad Bin Ismaᶜil Al-Bukhārī , Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ(Dār-e-Tawq-ul-Najāt, 1422 AH) 6:185, Hadith Number: 4993.

[10]Aḥmad Bin ᶜAli Ibn-e- Ḥajar Al-ᶜAsqalānī, Fatḥul Bārī(Beirūt: Dār-e- Al-Maᶜrifah, 1379 AH) 9: 40.

Abdul Rahmān bin Abi Bakr, Jalāl -ud-Deen Al-Sayyuṭī,Al-atqān fi ᶜulūm il Qurān(Al-hayʾtul Misriyah Al-āmah lil Kitāb,1394 AH)1:93.

[11]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 2:119, Hadith Number: 1458.

[12]Abu Zakariyā Yaḥyā bin Sharaf Al-Nawawī, Al-Minhāj Sharh Ṣaḥiḥ Muslim bin Al-Ḥajjāj(Beirūt: Dār-e-Iʾhyāʾ Al-Turath Al-ᶜArabi, 1392 AH)12:41.

[13]Muḥammad ᶜAlī Ibn Al-ᶜAlān, Dalil ul-Fāleheen li Ṭuraq Riyaḍh al-Sāliheen(Beirūt ,Dārul Maᶜrefat lil Ṭabāᶜah wal Nashar wal Tawzeegh,1425AD)7:10.

[14]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 1:25, Hadith Number: 69.

[15]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 8:70, Hadith Number: 6125.

[16]Al-Nawawī, Al-Minhāj,15:41.

[17]Al-Bukhārī, , Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 8:30, Hadith Number: 6128.

[18]Muslim bin Al-Hajjāj, Al-Ṣaḥiḥ, (Beirūt: Dār- e- Iʾhiyā Al-Turāth Al-ᶜArabi)1:236 Hadith Number: 285.

[19]Maḥmūd bin Aḥmad Badruddin Al-ᶜAaynī, ᶜUmda tul-Qārī(Beirūt: Dār- e- Iʾhiyā Al-Turāth Al-ᶜArabi)3:128.

[20]Muḥammad bin Yūsuf al-Karmānī, al-Kawākib ul-Darārī(Beirūt: Dār- e- Iʾhiyā Al-Turāth Al-ᶜArabi,1401AH)2:79.

[21]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 3:152, Hadith Number: 2563.

[22]Abu Dāwūd, Sulemān bin Ashᶜath, Al-Sajistānī, Al-Sunan (Beirūt: Al-Maktaba tul-ᶜAsriyah Ṣaidan)4:250, Hadith Number: 4788.

[23]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 9:109, Hadith Number: 7357.

[24]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 1:70, Hadith Number: 315.

[25]Abu Dāwūd, Al-Sunan,1:85, Hadith Number: 314,316.
[26]Abu Al-Ḥasan ᶜAli bin Khalaf Ibn Baṭṭāl, Sharh Ṣaḥiḥ Al-Bukhārī li Ibn Baṭṭāl, (Riyadh: Maktaba tul Rushd, 1423 AH)1:440.
[27]Al-Nawawī, Al-Minhāj,4:14.
[28]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 1:43, Hadith Number: 162.
[29]Al-Nawawī, Al-Minhāj,3:180.
[30]Muḥammad bin ᶜIsā al-Tirmidhī, Al-Sunan(Miṣar Maktabah wa maṭbaᶜh Musṭafā al-Bābī al-Ḥalbī, 1395 AH)3: 456, Hadith number: 1158.
[31]Al-Samᶜānī, Tafsir Al-Quran3: 210.
[32]Al-Zamakhsharī, Al- Kashhāf, 2: 644.
[33]Muslim bin Al-Hajjāj, Al-Ṣaḥiḥ, 1: 219 Hadith Number: 251.
[34]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 1:25, Hadith Number: 68.
[35]Al-Nawawī, Al-Minhāj,14:164.
[36]Al-Ḥusain bin Mahmūd Al-Zaidānī, Al-Mafātih Fi Sharh il-Maṣabeeḥ(Al-Kuwait, Dār ul -Nawādir, 1433 AH) 1:310.
[37]Abu Dāwūd, Al-Sunan,4:302, Hadith Number:5008.
[38] Abu Muḥammad Al-Husain Bin Masūd Mohī il-Sunnah,Mᶜālim ut Tanzeel fi Tafseer il Qurān, (Beirūt: Dār- e- Iᵓhiyā Al-Turāth Al-ᶜArabi,1420AH)3:103.
[39]Al-Zamakhsharī, Al- Kashhāf, 2: 644.
[40]Al-Rāzī, Mafātiih-ul-Ghayb)20:287.
[41] Qāzī Thanāᵓullah Al-Mazharī, Tafsir Al-Mazharī(Pakistan, Maktabah Al-Rushdiay, 1412 AH)5: 390.
[42]Abu ᶜAbdullah Aḥmad Bin Hanbal, Al-Musnad(Mussa tul-Risalah, 1421 AH) 36:545, Hadith Number: 22211.
[43]Aḥmad Bin Hanbal, Al-Musnad,36:545,Hadtih Number:22211.
[44]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 7:128, Hadith Number: 5770.
[45]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 7:128, Hadith Number: 5770.
[46]Al-Nawawī, Al-Minhāj,14:217.
[47]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 7:138, Hadith Number: 5771.
[48]Al-Bukhārī, Al-Jamiᶜ-Al-Saḥiḥ, 7:128, Hadith Number: 5771.
[49]Al-Nawawī, Al-Minhāj,14:214
[50]Abu Bakr ᶜAbdullah bin Muḥammad, Ibn Abi ShaybahAl-Muṣannaf(Al-Riyaḍh Maktaba tul Rushd, 1409 AH) 5: 142, Hadith number: 24543.
[51] Ibn-e- Ḥajar Al-ᶜAsqalānī, Fatḥul Bārī, 10: 161.
[52]Al-Nawawī, Al-Minhāj,14:215.
[53]Al-Rāzī, Mafātiih-ul-Ghayb)20:287.
[54]Al-Zukhraf,43:58.
[55]Al-Anfāl,8:46.
[56]Al-Rāzī, Mafātiih-ul-Ghayb)20:287.